تعزیراتِ اسلام

جناب قاضی بشیر احمد صاحب - باغ - آزاد کشمیر

(۱۶)

۸ - قتل، معنوی اسباب کے ذریعہ -

معنوی سبب سے قتل کرنے سے ——— مراد غیر مادی چیز سے قتل کرنا ہے، جیسے کسی کو اتنا رُعب دیا کہ وہ مرگیا، دوسرے پر سانپ پھینکا خواہ زندہ یا مُردہ، یا تلوار سونتی اور وہ گھبرا کر مرگیا تو اس طرح سے قتل، معنوی ذریعے سے قتل کہلائے گا۔

امام مالکؒ کے نزدیک یہ قتلِ عمد ہوگا، اور قصاص واجب ہوگا[۱]

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر قاتل نے عمداً ایسا کیا ہو تو یہ قتل شبہ عمد ہوگا۔ اگر عمداً نہ ہو تو قتل خطا ہوگا۔[۲]

امام شافعیؒ نابالغ مقتول کے بارے میں امام احمدؒ کی موافقت فرماتے ہیں اور بالغ مقتول کے بارے میں اُن کے دیت اور عدم دیت کے دونوں قول ہیں۔[۳]

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے دوسرے کے پاس چیخ ماری اور وہ گھبرا کر مرگیا تو مجرم کو دیت کی سزا دی جائے گی۔[۴] اس سے معلوم ہوا کہ معنوی سبب سے قتل پر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قصاص

---

[۱] الشرح الکبیر للدردیر ص ۲۱۷ - بحوالہ التشریع الجنائی الاسلامی ج ۲ - ص ۴۷۔

[۲] المغنی ج ۹ - ص ۳۲۶   [۳] ایضاً

[۴] البحر - ج ۸ - ص ۳۳۵

واجب نہ ہوگا۔ بلکہ دیت واجب الادا ہوگی۔

دفعہ ۱۶ قتل شبہ عمد کی سزا۔

قتل شبہ عمد کے مرتکب کو مندرجہ ذیل سزا دی جائے گی۔

۱۔ اس کی عاقلہ کامل دیت ادا کرے گی اور عاقلہ کے ساتھ قاتل بھی شریک ہوگا۔

۲۔ وراثت یا وصیت کی صورت میں ملنے والے ترکہ سے بھی محروم ہوگا۔ بشرطیکہ،

ا۔ جرمِ قتل، قاتل سے صادر ہوا ہو، اس کے لیے سبب نہ بنا ہو، یعنی قتل بالسبب نہ ہو۔

ب۔ قتل حق دفاع کے طور پر نہ ہوا ہو[1]

ج۔ قاتل، عاقل اور بالغ ہو[2]

۳۔ اگر قاتل عاقل بالغ اور مسلمان ہو تو کفارہ بھی ادا کرے گا جس کے لیے اس کی ممکنہ صورت یہ ہے کہ دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے۔ اگر کسی عذر کی وجہ سے وہ تسلسل کو قائم نہ رکھ سکے تو از سرِ نو روزے رکھنے ہوں گے البتہ عورت کا تسلسل اس کے حیض کی وجہ سے ختم نہ ہوگا[3]۔

۴۔ اگر مقتول، عورت ہو تو اس کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہوگی[4]

تشریح:۔ عاقلہ سے مراد قاتل کی وہ ہمدرد برادری ہے جو اس کی حمایت و نصرت کرتی ہو۔ اس کی تفصیل آگے ذکر کی جائے گی۔ اور متذکرہ بالا سزا کا ثبوت، قتل خطاء کے تحت ذکر کیا جائے گا۔ اوپر دنیاوی سزا کا ذکر ہے۔ آخرت کی سزا اس کے علاوہ ہوگی اور کفارہ میں غلام آزاد کرنے کا ذکر اوپر نہیں کیا گیا۔ حالانکہ کفارہ کی ادائیگی کی ایک صورت یہ بھی ہے۔ اس لیے کہ اس دور میں غلاموں کا رواج نہیں رہا۔

قتل کی تیسری قسم ——— قتل خطاء

دفعہ ۱۷۔

قتل خطاء کی دو قسمیں ہیں:۔

---

[1] البحر جلد ۸ ص ۴۸۸، ۵۰۰

[2] البدائع۔ جلد ۷، ص ۳۳۹، ۳۴۰

[3] بیان القرآن۔ ملخصاً

[4] ہدایہ جلد ۴۔ ص ۵۸۵۔

۱۔ ارادہ میں خطاء۔ اس سے مراد یہ ہے کہ قاتل قصداً ایک چیز کو قتل کرنے کے لیے نشانہ تو ٹھیک لگائے لیکن فی الواقع نشان زدہ چیز اس کی مراد نہ ہو۔[1]

تمثیل: قاتل نے ایک چیز کو شکار سمجھ کر نشانہ بنایا لیکن بعد میں ثابت ہوا کہ نشان زدہ چیز آدمی ہے۔ یہاں فعل تو اس کا ٹھیک ہے البتہ اس کے ارادہ میں خطاء ہوگی کہ جس چیز کو اس نے شکار سمجھا تھا، واقع میں وہ شکار نہ تھا بلکہ انسان تھا۔

۲۔ فعل میں خطاء: اس سے مراد یہ ہے کہ قاتل قصداً ایک چیز کو نشانہ نہ بنائے لیکن نشانہ چوک کر دوسری چیز کو لگ جائے۔

تمثیل: قاتل نے شکار کو تیر مارا مگر نشانہ چوک کر آدمی کو لگ گیا۔ اس مثال میں قاتل کی نیت شکار کو مارنا تھی مگر اس کے فعل کی غلطی کی وجہ سے نشانہ صحیح نہ لگا۔ بلکہ قریب آدمی کو لگ گیا جس کا اس نے ارادہ نہ کیا تھا۔

دفعہ ۱۸۔ قتل خطاء کی سزا۔

ا۔ قتل خطاء کے مرتکب کو مندرجہ ذیل سزا دی جائے گی:۔

۱۔ اس کو کفارہ ادا کرنا ضروری ہوگا۔ بشرطیکہ مقتول معصوم الدم، عاقل، بالغ شخص ہو۔[2] اور قتل خطاء کا کفارہ وہی ہوگا جو شبہ عمد کا ہے۔

۲۔ قاتل، مقتول کی میراث سے محروم ہوگا۔

۳۔ قاتل کی عاقلہ پہ کامل دیت لازم ہوگی جس میں قاتل بھی حصہ دار ہوگا۔[3] اگر مقتول مرد ہو تو کامل دیت واجب الادا ہوگی اور اگر عورت ہو تو مرد کی دیت کا نصف ہوگی۔[4]

۴۔ کامل دیت وہی ہے جو شبہ عمد کی سزا میں مذکور ہے۔

---

[1] ہدایۃ جلد ۴ ص ۵۶۱

[2] البدائع جلد ۷ ص ۲۵۲ و ۲۵۵

[3] ایضاً نیز ہدایۃ جلد ۴ ص ۵۶۱

[4] ہدایۃ جلد ۴ ص ۵۸۵ ۔

ب ۔ دیت کے وجوب کے لیے مقتول کا معصوم الدم ہونا ضروری ہے۔[۱]

ج ۔ دیت مقتول کے شرعی ورثاء میں تقسیم کی جائے گی۔ اگر کوئی وارث اپنا حصۂ دیت معاف کرے تو اس قدر دیت معاف ہو جائے گی۔ بقیہ دیت واجب الادا ہوگی اور اگر سب ورثا معاف کر دیں تو تمام دیت معاف ہو جائے گی۔ اور جس مقتول کا کوئی شرعی وارث نہ ہو۔ اس کی دیت بیت المال میں داخل ہوگی کیونکہ دیت ایک ترکہ ہے۔ اور اس کا یہی حکم ہے۔[۲]

تشریح ۱ ۔ قتل خطاء اور اس کی سزا ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ کسی مومن کی شان نہیں کہ وہ کسی مومن کو (ابتداً) قتل کرے لیکن غلطی سے (ہو جائے تو اور بات ہے) اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے تو اس پر (شرعاً) ایک مسلمان غلام یا لونڈی کو آزاد کرنا (واجب) ہے۔ اور خون بہا (بھی واجب) ہے جو اس (مقتول) کے خاندان والوں کو (یعنی ان میں جو وارث ہیں بقدر حصص میراث) حوالہ کر دیا جائے (اور جس کے کوئی وارث نہ ہو تو بیت المال قائم مقام ورثہ کے ہے) مگر یہ کہ وہ لوگ (اس خون بہا کو) معاف کر دیں (خواہ کل یا بعض … ہی معاف ہو جائے گی) اور اگر وہ (مقتول خطاءً) ایسی قوم سے ہو جو تمہارے مخالف ہیں (یعنی حربی ہیں اور انہی میں کسی وجہ سے رہتا تھا) اور وہ شخص مومن ہے تو (صرف) ایک غلام یا لونڈی مسلمان کا آزاد کرنا (پڑے گا اور دیت اس لیے نہیں کہ اگر ورثہ اس مقتول کے مسلمان ہیں تب تو وہ اسلامی حکومت کے ماتحت نہ ہونے کے باعث مستحق نہیں اور اگر کافر ہیں تو اس صورت میں بیت المال کا حق ہوتی ہے اور دار الحرب سے دار الاسلام کے بیت المال میں ترکہ لایا نہیں جاتا) اور اگر وہ (مقتول خطاءً) ایسی قوم سے ہو کہ تم میں اور ان میں معاہدہ (صلح یا ذمہ کا) ہو (یعنی ذمی یا مصالح مستامن ہوں) تو خون بہا (بھی) واجب ہے --- جو اس (مقتول کے خاندان والوں کو --- یعنی ان میں جو وارث ہیں) حوالہ کر دیا جائے (کیونکہ کافر کا وارث ہوتا ہے) اور ایک غلام یا لونڈی مسلمان کو آزاد کرنا (پڑے گا) پھر (جن صورتوں میں غلام، لونڈی آزاد کرنا واجب ہے) جس شخص کو (غلام لونڈی) نہ ملے (اور نہ اتنے دام ہوں کہ خرید سکے --- تو اس کے ذمے)

۱ھ ہدایہ جلد ۴ ۔ ص ۵۸۵ ۔

۲ھ تفسیر بیان القرآن ۔

متواتر دو ماہ کے روزے ہیں (از بیان القرآن سورۃ نساء : ۹۲) مذکور عبارت سے معلوم ہوا کہ:۔

۱۔ قتل خطاء میں کفارہ اور خون بہاء واجب ہے اور خون بہاء مقتول کے ورثاء کو بقدرِ حصص میراث دیا جائے گا۔

۲۔ اگر وارث نہ ہو تو دیت بیت المال میں داخل ہو گی۔

۳۔ خون بہا جزوی یا کلی معاف بھی کیا جا سکتا ہے۔

۴۔ اگر مقتول، مومن ہو، لیکن حربی قوم میں کسی وجہ سے رہتا ہو تو قاتل صرف کفارہ ادا کرے گا اور دیت اس پر عائد نہ ہو گی، اس لیے کہ اس کے ورثاء اگر مسلمان ہوں تو وہ اسلامی حکومت کے ماتحت نہ ہونے کی وجہ سے مستحق نہیں۔ اگر کافر ہوں، تو دیت، بیت المال کا حق ہوتی ہے۔ مگر دار الحرب سے دار الاسلام کے بیت المال میں ترکہ نہیں لایا جاتا۔

۵۔ اگر مقتول کسی معاہد قوم سے تعلق رکھتا ہو تو قاتل کفارہ ادا کرنے کے علاوہ خون بہا بھی مقتول کے ورثاء کو ادا کرے گا۔

۶۔ جن صورتوں میں قاتل پہ کفارہ عائد ہوتا ہے ان میں قاتل کے لیے اس دور میں ممکن یہی ہو گا کہ وہ مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے۔

تشریح ۲:۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اِلَّا خَطَاءً" میں قتل خطاء اور شبہ عمد، دونوں قسمیں داخل ہیں۔ قتلِ خطاء تو ظاہر ہے۔ اور قتل شبہ عمد اس طرح کہ اس کے اندر بھی ایک اعتبار سے خطاء کا پہلو موجود ہوتا ہے[1]۔ البتہ جنس کی صورت میں دو اقسام کی دیت الگ الگ ہو گی۔ اور قولہ تعالیٰ "اِلَّا خَطَاءً" میں قتل خطاء کی بھی دونوں اقسام داخل ہیں کیونکہ خطاء کبھی فعل میں ہوتی ہے اور کبھی ارادے میں، لیکن دونوں کو خطاء ہی کہا جاتا ہے۔ مزید وضاحت کے لیے مندرجہ ذیل آثار ملاحظہ کیجیے۔

۱۔ حضرت سدی رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ عیاش بن ابی ربیعہ نے بنی عامر کے ایسے آدمی کو قتل کر دیا تھا جو اسلام قبول کر چکا تھا۔ مگر عیاش پر اس کے مسلمان ہونے کا علم نہ تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس پہ حکم نازل فرمایا۔ "وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَاءً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا

---

[1] تفسیر بیان القرآن۔ سورۃ نساء : ۹۲

خَطَأً فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا

مذکورہ بالا واقعے اور آیت سے ارادے میں خطا کا ثبوت ملتا ہے۔[1]

۲۔ سلمہ بن نعیم فرماتے ہیں کہ یمامہ کی لڑائی میں ، میں حضرت خالد بن ولید کے ہمراہ تھا تو ہم نے ایک آدمی کو قتل کیا تو گرتے وقت اس نے کہا " اَللّٰهُمَّ عَلٰى مِلَّتِكَ وَمِلَّةِ رَسُوْلِكَ وَاِنِّيْ بَرِيْءٌ مِّمَّا عَلَيْهِ مُسَيْلَمَةُ " تو میں نے اس کے پاؤں میں دھاگہ باندھا اور اپنی قوم میں آگیا۔ اور پھر جب اس کے پاس لوٹا تو میں نے دریافت کیا کہ کیا اس آدمی کو کوئی جانتا ہے ؟ کچھ یمنی لوگ پاس سے گذر رہے تھے تو انہوں نے کہا کہ یہ مسلمان مرد ہے۔ پھر میں مدینہ منورہ میں آگیا اور حضرت عمرؓ کو واقعہ سنایا تو آپ نے فرمایا " قَدْ اَحْسَنْتَ فَاِنَّ عَلَيْكَ وَعَلٰى قَوْمِكَ الدِّيَةَ وَعَلَيْكَ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ الخ[2]

اس واقعہ میں قاتل نے مقتول کو مسیلمہ کا پیرو سمجھ کر قتل کیا لیکن واقعہ میں وہ مسلمان تھا تو یہ قتل ، ارادہ میں خطاء واقع ہونے سے ہوا۔ جس کی سزا قاتل پر کفارہ ہے اور اس کی عاقلہ پر دیت ہے۔

تشریح ۳

وجوب کفارہ میں ائمہ کا اختلاف۔

امام شافعیؒ کے نزدیک جس طرح قتل خطاء میں کفارہ واجب ہوتا ہے اسی طرح وہ قتل عمد میں بھی کفارہ کے وجوب کے قائل ہیں۔

اور امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک قتل عمد میں کفارہ واجب نہیں ہوتا (یہی وجہ ہے کہ ہم نے قتل عمد کی سزا میں اس کا ذکر نہیں کیا) اور امام احمدؒ کے دو قول ہیں۔ امام شافعیؒ قتل عمد میں کفارہ کے وجوب کو قتل خطاء کے کفارہ پر قیاس کرتے ہیں۔ نیز اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں ، جو واثلہ بن اسقع سے مروی ہے کہ " ہم اپنے ایک ساتھی کا جو قتل کی وجہ سے دوزخ کا مستحق ہو گیا تھا۔ حکم دریافت کرنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا اس کی طرف سے ایک بردہ آزاد کرو ، بردہ کے ہر عضو کی آزادی کی وجہ سے اس کا ہر عضو دوزخ سے آزاد

[1] اعلاء السنن جلد ۱۸ ص ۱۰۳ [2] ایضاً

ہو جائے گا[1]۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قتل عمد کا کفارہ دوزخ سے آزاد ہونے کے لیے واجب ہے، اس لیے بردہ آزاد کرنا چاہیے۔

احناف فرماتے ہیں کہ یہ حدیث امام احمدؒ، ابوداؤد، نسائی، ابن حبان اور حاکم نے بھی روایت کی ہے۔ لیکن اس روایت میں صرف اتنا ہے کہ ہمارا ساتھی مستحق ہو گیا۔ لیکن کس چیز کا؟ قصاص کا یا دیت کا، یا دوزخ کا؟ اس کی کوئی تفصیل نہیں کی گئی۔ دوزخ کا لفظ چونکہ اس روایت میں نہیں ہے لہٰذا یہ حدیث دعویٰ کی دلیل نہیں بن سکتی۔ اور امام موصوف کا قیاس بھی محل نظر ہے۔ کیونکہ قتل عمد خالص گناہ کبیرہ ہے۔ کفارہ دے کر اس سے طہارت حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور قتل خطاء کی حالت اس سے مختلف ہے۔ کیونکہ اس میں ایک حیثیت عدم مواخذہ کی ہے۔ اس لیے کہ خطاء میں مواخذہ نہیں ہوتا۔ اور دوسری حیثیت گناہ کی ہے۔ کیونکہ احتیاط سے کام نہیں لیا گیا۔ لہٰذا اس سے طہارت کی شکل ہے۔ جو عبادت اور سزا کے درمیان دائر ہے یعنی بردہ کی آزادی فی الجملہ عبادت بھی ہے اور آزاد کرنے والے کے لیے سزا بھی[2]۔

اور قتل عمد میں کفارہ نہ ہونے کا ثبوت ایک حدیث سے بھی ہوتا ہے جس کو ابن الجاشیہ، بخاری مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے ذکر کیا ہے۔ اس روایت میں جن چیزوں پر کفارہ لازم نہ ہونا بیان کیا گیا ہے اُن میں ناحق قتل بھی شامل ہے[3]۔

قتل کی چوتھی قسم ——— قتل قائم مقام خطاء

دفعہ ۱۹

۱۔ اس قتل کی تعریف فقہاء نے بذریعہ مثال بیان کی ہے۔ مثلاً یہ کہ: جیسے کوئی سویا ہوا آدمی اپنی کروٹ بدلتے میں کسی کے اُوپر جا پڑے اور وہ مر جائے[4]۔ نیز جیسا کہ اُوپر سے کوئی چیز کسی کے

---

[1] بحوالہ تفسیر مظہری، تحت قولہ تعالیٰ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً۔

[2] ایضاً [3] ایضاً

[4] ہدایہ جلد ۴ ص ۵۶۱۔

اُوپر گر پڑے اور وہ مر جائے یا یہ کہ کسی جانور پر سوار ہو اور وہ جانور کسی انسان کو مار ڈالے[1]

ب ۔ اس قتل کی سزا وہی ہے جو قتل خطاء کی ہے یعنی قاتل پر قصاص واجب نہ ہوگا اور اس کی عاقلہ پر دیت واجب ہوگی اور قاتل پر کفارہ واجب ہوگا ۔

ج ۔ قاتل مقتول کی میراث سے بھی محروم ہوگا[2]

تشریح:۔ قتل خطاء اور قتل قائم مقام خطاء میں فرق یہ ہے کہ قتل خطاء میں فعل مقصود ہوتا ہے بخلاف قتل قائم مقام خطاء کے کہ اس میں فعل سرے سے مقصود ہی نہیں ہوتا ۔ یہ اتفاق اور حادثاتی نوعیت کا قتل ہوتا ہے ۔

قتل کی پانچویں قسم ـــــ قتل بالسبب

دفعہ ۲۰ ۔ قتل بالسبب کی تعریف ۔

ا ۔ مثلاً ایک شخص غیر کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر کنواں کھودے اور اس کنویں میں گر کر کوئی شخص ہلاک ہو جائے یا یہ کہ دوسرے کی زمین میں پتھر رکھدے اور وہ پتھر کسی کی موت کا سبب بن جائے[3]

ب ۔ سزا ۔ قاتل کی عاقلہ پر دیت ادا کرنا واجب ہوگا ۔ البتہ اس جرم میں قاتل پر کفارہ عائد نہ ہوگا اور نہ ہی وہ مقتول کی وراثت سے محروم ہوگا[4]

تشریح:۔ امام شافعیؒ کے نزدیک یہ قتل، قتل خطاء کے ساتھ ملحق ہوگا لہٰذا جو احکام قتل خطاء کے ہیں وہی اس قتل کے بھی ہوں گے ۔ اور اُن کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے " وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاءً " عام ہے جس میں یہ قسم بھی داخل ہے ۔ احناف فرماتے ہیں کہ درحقیقت یہ قتل کنواں کھودنے یا پتھر رکھنے والے سے صادر ہی نہیں ہوا ۔ اس لیے قتل خطاء کے پورے احکام

---

[1] المحیط بحوالہ کتاب الاختیار مترجم ص ۱۸۶

[2] الجوہرۃ النیرہ ہدایہ جلد ۴ ص ۵۶۱

[3] ہدایہ ۔ جلد ۴ ص ۵۶۱ [4] ایضاً

اس میں جاری نہیں ہوسکتے۔ البتہ حفاظتِ دم کی خاطر صرف ضمانت کی حد تک قتل خطاء کے ساتھ لاحق ہوگا کیونکہ سبب قتل اسی شخص نے پیدا کیا ہے[۱]

فصل نہم ——— دیتِ نفس

دفعہ ۲۱۔ شبہ عمد کی دیت۔

قتل شبہ عمد کی دیت بصورتِ نقود ایک ہزار دینار یا دس ہزار درہم یا اس کے مساوی بازاری قیمت ہے[۲]۔ یہ رقم قاتل کی عاقلہ ادا کرے گی۔ اور خود قاتل بھی حصہ دار ہوگا[۳]

تشریح ۱

دیت کا ثبوت قرآن پاک سے:۔

وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاءً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا۔ (سورۃ نساء)	جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کرے تو اس پر ایک مسلمان غلام آزاد کرنا واجب ہے۔ اور خون بہا بھی واجب ہے جو اس کے خاندان والوں کے حوالے کر دیا جائے مگر یہ کہ وہ لوگ خون بہا معاف کر دیں۔

ثبوت حدیث سے:۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم کی طرف اہل یمن کے لیے ایک تحریر لکھوائی تھی، جس میں فرائض و سنن کے علاوہ دیات کا ذکر بھی موجود ہے۔ آپ نے فرمایا:۔

"فی القتل الدیۃ مائۃ من الابل"[۴]

---

[۱] ہدایہ۔ جلد ۴ ص ۵۶۱

[۲] البحر جلد ۸ ص ۳۷۴ دار المعرفۃ بیروت۔

[۳] البدائع۔ جلد ۷ ص ۲۵۵

[۴] رواہ نسائی۔ بحوالہ مشکوٰۃ۔ باب الدیات، فصل ثانی۔

تشریح ۲ - اجناسِ دیت -

اُوپر دیت کی ادائیگی بصورت نقود ذکر کی گئی ہے - کیونکہ ہمارے ملک میں قابلِ عمل صورت یہی ہے ورنہ دیت دوسری اجناس کی صورت میں بھی ادا ہوسکتی ہے جس کا تفصیلی ذکر مندرجہ ذیل ہے -

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک دیت کی تین جنسیں ہیں - درہم دینار اور اونٹ - البتہ درہم کی مقدار کے بارے میں اُن کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے -

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دس ہزار درہم دیت ہے جب کہ امام مالکؒ کے نزدیک بارہ ہزار درہم ہے -

امام شافعیؒ کا پہلا قول امام مالکؒ کے موافق ہے اور ان کا جدید قول یہ ہے کہ دیت مقررہ صرف اونٹوں کے اندر ہی ہے - باقی اجناس کی حیثیت مستقل دیت کی نہیں ہے بلکہ اسی جنس سے ماخوذ ہیں -

امام شافعیؒ اپنے قولِ جدید کی دلیل میں عبداللہ بن عمرو کی حدیث ذکر فرماتے ہیں یعنی یہ کہ " أنّ النبیُّ صلی اللہ علیہ وسلم قال الا انّ دیۃ الخطاء شبہ العمد ما کان بالسّوط والعصا مأۃٌ من الابل منہا اربعون فی بطونہا اولادھا "[1] -

اس حدیث سے واضح ہے کہ کوڑے اور لاٹھی کے ذریعے قتل شبہ عمد ہوتا ہے اور اس میں سو اونٹ بطور دیت واجب الادا ہوتے ہیں جن میں سے چالیس حاملہ اونٹنیاں ہیں - اُن کے نزدیک اگر اونٹ کی جنس نہ ملے تو اُن کی قیمت خواہ کتنی ہو واجب الادا ہوگی[2] -

علاوہ ازیں امام شافعیؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل شبہ عمد اور قتلِ خطاء کی دیات کے درمیان فرق کیا ہے - یعنی یہ کہ شبہ عمد میں دیت مغلظہ ہے اور قتل خطاء میں دیت مخففہ ہے - یہ فرق صرف اونٹوں کی صورت میں ہی ممکن ہے - کیونکہ درہم اور دینار میں تغلیظ نہیں ہوسکتی - نیز اونٹوں میں کسی کا اختلاف نہیں ہے جب کہ باقی اجناس میں اختلاف پایا جاتا ہے - ان وجوہات کی بنا پر

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۷ ص ۸۳ - ملتان

[2] ایضاً

وہ دیت مقدرہ صرف اونٹ کی جنس میں تسلیم کرتے ہیں۔ جب کہ امام ابو حنیفہ رحؒ کے نزدیک اونٹ درہم اور دینار تینوں اجناس دیت مقدرہ کہلاتی ہیں۔ قاتل ان میں سے کسی ایک کو اختیار کرسکتا ہے [1]۔

امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ اور ایک روایت کی بناء پر امام احمدؒ کے نزدیک اونٹ، سونا، دراہم دوصد گائیں۔ دو ہزار بکریاں اور دو صد جوڑے کپڑے [2]۔ یہ چھ اجناس دیت مقدرہ ہیں ان میں سے قاتل کو کسی ایک جنس کے اختیار کرنے کا حق حاصل ہے۔

امام ابو یوسفؒ بطور دلیل یہ روایت بیان فرماتے ہیں "حدثنی محمد بن اسحاق عن عطا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وضع الدیۃ علی الناس فی اموالھم علی اھل الابل مائۃ بعیر وعلی اھل الشاۃ الفی شاۃٍ وعلی اھل البقر مائتی بقرۃٍ وعلی اھل البرد مائتی حُلّۃ" [3]

یہ روایت اگرچہ مُرسل ہے مگر اس کی حجیت میں کوئی فرق نہیں کیونکہ امام ابو داؤدؒ نے اپنی سنن کے اندر اسی روایت کو ابو تمیلہ۔ یحییٰ بن واضح عن محمد بن اسحاق عن عطاء عن جابر کی سند سے متصلاً ذکر کیا ہے [4]۔

اس روایت سے سند میں اتصال کی صفت پیدا ہوگئی اور ارسال کا ضعف جاتا رہا۔ البتہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی روایت کو اس روایت کے معارض پیش کیا جاسکتا ہے جس سے امام شافعیؒ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے۔ یعنی یہ کہ "اِنّ الدِّیۃَ کانت علی عھدِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثمان مائۃ دینار او ثمانیۃ الاف درھم ودیۃ اھل الکتاب یومئذٍ النصف من الدیۃ المسلمین فکان کذلک حتی استخلفَ عمر فقام خطیبا فقال ان الابل قد غلت قال ففرضہا عمر علی اھل الذھب الف دینار وعلی اھل الورق اثنی عشر دینار وعلی اھل البقرۃ مائتی بقرۃ وعلی اھل الشاۃ الفی شاۃ

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ۔ جلد ۷۔ ص ۸۳۔ ملتان [2] ایضاً

[3] کتاب الخراج لابی یوسفؒ فصل ۳۔ قصاص۔ دیت۔

[4] ابوداؤد باب فی الدیۃ جلد ۲ ص ۲۸۴۔

وعلى اهل الحلل مائة حلة، قال وترك دية اهل الذمة لم يرفعها فيما رفع من الدية"[1]

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دیت آٹھ سو دینار یا آٹھ ہزار درہم تھی اور اہل کتاب کی دیت مسلمانوں کی دیت کا نصف تھی۔ چنانچہ اسی طرح ہوتا رہا حتٰی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ خلیفہ مقرر ہوئے تو آپ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اب اونٹ مہنگے ہو چکے ہیں۔ چنانچہ آپ نے سونے والوں پہ ہزار دینار، چاندی والوں پہ بارہ ہزار دینار اور گوالوں پہ دو سو گائیں اور بکری والوں پہ دو ہزار بکریاں اور کپڑے والوں پہ سو جوڑے کپڑے دیت مقرر کی لیکن اہل ذمہ کی دیت اسی طرح رکھی۔ اس میں زیادتی نہیں کی۔"

اس روایت سے واضح ہے کہ دیت میں اصل اونٹ ہیں۔ باقی اجناس اس کی فرع ہیں اور مستقل اجناس نہیں ہیں۔ کیونکہ اونٹوں کے مہنگا ہونے کی وجہ سے ہی باقی اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ کیا گیا ہے۔ یہی امام شافعیؒ کا مسلک ہے۔

لیکن یہ بات تحقیق پہ مبنی نہیں ہے اس لیے کہ اگر اس روایت کو قبول کیا جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی کھلی خلاف ورزی کی ہے حالانکہ اُن کی ذات پہ اس طرح کا شبہ کرنا بھی غلط ہے۔

لازم اس طرح آئے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ذمہ کی دیت مسلمانوں کی دیت کا نصف مقرر کی تھی مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نصف سے کم کر کے تیسرا حصہ مقرر کر دی کیونکہ اس روایت میں واضح ہے کہ اہل ذمہ کی دیت مسلمانوں کی دیت کا نصف تھی۔ اس اعتبار سے مسلمان کی دیت چونکہ آٹھ ہزار درہم تھی تو اہل ذمہ کی دیت اس کا نصف چار ہزار ہوئی۔ پھر جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسلمانوں کی دیت بارہ ہزار کر دی تو اہل ذمہ کی دیت اس کا نصف چھ ہزار درہم ہونا چاہیے تھی۔ لیکن اس روایت کے تحت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل ذمہ کی دیت میں اضافہ نہیں کیا۔ بلکہ وہ اسی طرح چار ہزار درہم ہی رہی جو بارہ ہزار درہم کا ثلث یعنی تیسرا حصہ ہے۔

---

[1] ابوداؤد۔ باب الدیۃ کم ھی جلد ۲

اس روایت کا حاصل یہی نکلے گا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقررہ تعداد میں تصرف کر کے تیسرا حصہ مقرر کیا ہے۔ ایسے جلیل القدر صحابی سے یہ جرأت ممکن نہیں ہے۔

دوسری خامی یہ ہے کہ اس روایت میں ہے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دیت آٹھ سو دینار یا آٹھ ہزار درہم تھی" جس کا حاصل یہ ہے کہ آپ کے زمانہ میں ایک دینار دس درہم کے برابر تھا۔ لہٰذا جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہلِ ذہب (سونے والوں) پر ایک ہزار دینار دیت مقرر کی تو اس کے مقابلے میں اہل فضہ (یعنی چاندی والے) پر دس ہزار درہم دیت ہونا چاہیے تھی۔ کیونکہ آپ نے ایک دینار کو دس درہم سے ضرب دی ہے، مگر روایت میں اس کے خلاف بارہ ہزار درہم کو ذکر کیا گیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حق بات وہی ہے جو محمد بن اسحٰق کی روایت متذکرہ میں موجود ہے۔ جہاں تک دوسری بات کا تعلق ہے یعنی یہ کہ کیا چاندی کی صورت میں دیت دس ہزار درہم ہے یا بارہ ہزار۔ اس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

احناف کے نزدیک دیت دس ہزار درہم ہے اور اہل مدینہ کے نزدیک بارہ ہزار درہم ہے۔ احناف کی دلیل وہ روایت ہے جو ابن ابی لیلیٰ نے بروایت شعبی، بروایت عبیدہ السلمانی بیان کی ہے، یعنی یہ کہ:

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے سونا رکھنے والوں کے لیے دیت کی مقدار ہزار دینار اور چاندی والوں کے لیے دس ہزار درہم مقرر کی ہے[1]

اور اہل مدینہ کی دلیل وہ روایت جو بروایت عکرمہ، بروایت ابن عباس مروی ہے۔ "بنی عدی قبیلہ کا ایک مرد قتل ہوا تو اس کی دیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہ ہزار (درہم) مقرر کی"[2] روایت کی چھان بین سے معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے

---

[1] کتاب الخراج لابی یوسف۔ باب حدود، تعزیرات۔

[2] ابوداود۔ باب والدیۃ کم ھی۔ جلد ۲۔

راشدین کے زمانے میں درہم دو قسم کے تھے۔ ایک قسم میں دس درہم ایک دینار کے برابر تھے اور دوسری میں بارہ درہم ایک دینار کے مساوی تھے۔ ان اقسام کی قیمت اور وزن مختلف تھا۔ پہلی قسم میں ایک درہم سات دانگ کا تھا اور دوسری قسم میں ایک درہم چھ دانگ کا۔ اور ان دونوں اقسام کے مطابق فیصلہ جات بھی ہوتے تھے۔ کبھی فیصلہ پہلی قسم کے مطابق ہوتا اور کبھی دوسری قسم کے مطابق۔ لہٰذا روایات میں کوئی حقیقی اختلاف نہیں ہے[1]۔ رہی یہ بات کہ ان اقسام کے وجود کی دلیل کیا ہے؟ تو اس کی ایک دلیل وہ روایت ہے جو بروایت مجاہد عن ایمن مروی ہے کہ "ڈھال کی قیمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک دینار یا دس درہم تھی"۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت ایک دینار برابر دس درہم تھے۔ اس روایت کی تائید عمرو بن شعیب عن ربیعہ عن جدہ کی مذکورہ روایت سے بھی ہوتی ہے کہ "دیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آٹھ سو دینار یا آٹھ ہزار درہم تھی"۔ ابن مسعود کی روایت میں ہے کہ "لا تقطع الید الا فی دینار او عشرۃ دراھم" یعنی "ہاتھ صرف ایک دینار یا دس درہم پر کاٹا جائے گا[2]۔" ظاہر یہی ہے کہ ان حضرات نے اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا ہے، بلکہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر بیان کیا ہوگا۔ ان روایات سے معلوم ہوا کہ اس وقت ایک دینار دس درہم کے مساوی تھا۔ علاوہ ازیں اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ سونے کا نصاب بیس دینار ہے اور چاندی کا دو سو درہم، لہٰذا اس سے بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ دینار دس درہم کے مساوی تھا۔ (مرقات جلد ۷، ص ۸۲)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ربع دینار پر ہاتھ کاٹو اس سے کم پر نہ کاٹو اور ربع دینار یعنی دینار کا چوتھا حصہ اس وقت تین درہم کے برابر تھا۔ اور ایک دینار بارہ درہم کے برابر ہوا۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ اس وقت ایک دینار بارہ درہم کے مساوی تھا۔

مذکور روایات سے معلوم ہوا کہ اس وقت دونوں قسم کے درہم موجود تھے[3]۔ لہٰذا جہاں ایک دینار کے

---

[1] اعلاء السنن۔ جلد ۱۸۔ ص ۱۳۲

[2] ایضاً۔

مقابلہ میں دس درہم کا ذکر کیا ہے وہاں ایک درہم چھ وانگ کا ہوگا۔ جہاں تک احناف کا اپنے اندر اختلاف کا تعلق ہے یعنی امام ابوحنیفہؒ اونٹ، درہم اور دینار تینوں اجناس کو دیتِ مقدرہ قرار دیتے ہیں اور ہر کر ان میں سے ایک کو ادا کرنا ہوگا۔ اور امام ابویوسفؒ ان تین کے علاوہ گائے، بکری اور کپڑوں کو بھی، یعنی چھ اجناس کو دیت قرار دیتے ہیں، اور قاتل کوئی ایک جنس اختیار کرنے کا مجاز ہے۔ اس کے بارے میں صاحب اعلاء السننؒ فقہاء کے مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ درحقیقت اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ جن روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ اونٹ، درہم اور دینار کے سوا کسی جنس کو نہیں لیتے تھے اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان تین اجناس کے علاوہ بقیہ کو ناجائز اور ممنوع سمجھتے تھے بلکہ مطلب اُن کا یہ ہے کہ امام صاحب اِن تین اجناس کے اختیار کرنے کو اَولیٰ اور بہتر سمجھتے تھے۔ کیونکہ درہم اور دینار تو متعین چیزیں ہیں، ان میں نزاع کا کوئی احتمال نہیں ہے اسی طرح اُونٹ بھی بنسبت گائے اور بکری کے دِیَت میں اصل ہیں، اور اصل کا اختیار کرنا ہی زیادہ بہتر ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ امام محمدؒ کتاب المعاقل کے اندر فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص دو سو گائیں اور دو سو جوڑے کپڑوں سے زائد پہ صلح کرے تو یہ صحیح نہ ہوگی۔ اس میں انہوں نے امام ابوحنیفہ کا اختلاف ذکر نہیں کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی کپڑوں اور بکریوں وغیرہ کی دِیَت اسی طرح مقدرہ ہے جس طرح اونٹوں کی مقدرہ ہے۔[1]

نمبر ۳

اُونٹ کی جنس میں فقہا کا اختلاف۔

فقہاء کا اس بات میں تو اتفاق ہے کہ شبہِ عمد کی دِیَت بصورتِ اُونٹ بمقدار ایک سو اُونٹ ہے البتہ ان کی کیفیات میں ان کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک شبہ عمد کی دیت میں سو اونٹ ارباعاً یعنی اُن کے چار حصے کر کے ادا کیے جائیں گے جن کی عمریں مختلف ہوں گی۔[2]

ا۔ پچیس بنتِ مخاض (وہ اونٹنی جس کا دوسرا سال شروع ہو چکا ہو)

---

[1] اعلاء السنن جلد ۱۸ ص ۱۳۵　　[2] ایضاً

۲۔ پچیس بنت لبون (وہ اونٹنی جس کا تیسرا سال شروع ہو چکا ہو)۔
۳۔ پچیس حقہ (وہ اونٹنی جس کا چوتھا سال شروع ہو چکا ہو)
۴۔ پچیس جذعہ (وہ اونٹنی جس کا پانچواں سال شروع ہو چکا ہو)

ان کی دلیل عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے جس میں شبہ عمد کی دیت ارباعاً مذکورہ ترتیب پہ بیان کی گئی ہے[1]۔

امام محمدؒ اور امام شافعیؒ اثلاثاً یعنی اونٹوں کے تین حصے کر کے دیت کو واجب الادا قرار دیتے ہیں۔

۱۔ تیس حقہ
۲۔ تیس جذعہ
۳۔ چالیس ثنیہ۔ یعنی ایسی اونٹنیاں جن کے پیٹ میں بچے ہوں۔

ان کی دلیل حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہ روایت ہے کہ:۔

" ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الا ان فی قتیل عمد الخطاء قتیل السوط والعصا مائۃ من الابل منہا اربعون خلفۃ فی بطونہا اولادھا[2] "۔

(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سن لو! شبہ عمد میں یعنی کوڑے اور لاٹھی کے ذریعے قتل میں سو اونٹ ہیں جن میں سے چالیس ایسی اونٹنیاں ہیں جن کے پیٹ میں بچے ہوں"۔

عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی روایت میں ہے کہ:۔

قال من قتل متعمداً دفع الی اولیاء المقتول فان شاؤا قتلوہ وان شاؤا اخذ والدیۃ وھی ثلاثون حقۃ وثلاثون جذعۃ واربعون خلفۃ وما علیہ فھو لھم[3]

---

[1] احکام القرآن جلد ۲ ص ۲۳۴۔ باب اسنان الابل

[2] بحوالہ المغنی جلد ۹ ص ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ واعلاء السنن ج ۱۸ ص ۱۲۴۔

[3] المغنی جلد ۹ ص ۴۹۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جو قصداً قتل کرے تو وہ اولیاء مقتول کے حوالے کیا جائے گا۔ وہ اگر چاہیں تو اس کو قتل کریں۔ اور چاہیں تو دیت وصول کریں اور دیت تیس حقہ، تیس جذعہ اور چالیس خلفہ (یعنی حاملہ اونٹنیاں) ہیں اور جس پر اس سے صلح کریں وہ انہی کے لیے ہے۔

اونٹوں کی جو عمر قتل عمد میں بیان کی گئی ہے۔ وہی شبہ عمد میں بھی ہوگی۔[۱]

مذکورہ بحث سے معلوم ہوا کہ اونٹوں کے چار حصے کیے جائیں یا تین، دونوں طرح کی روایات موجود ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ اور قاضی ابو یوسفؒ نے عبداللہ بن مسعود کی روایت کو ترجیح دی ہے۔ جب کہ امام محمدؒ اور امام شافعیؒ نے عبداللہ بن عمرو کی روایت کو ترجیح دی ہے۔ کیونکہ یہ مرفوع حدیث ہے، اور عبداللہ بن مسعود کی روایت موقوف ہے۔

عبداللہ بن مسعود کی روایت اگرچہ صورۃً موقوف ہے مگر حقیقۃً یہ بھی مرفوع کے حکم میں ہے۔ کیونکہ دیات کی مقادیر میں کسی رائے کو دخل نہیں ہوتا۔ جیسا کہ سائب بن یزید کی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جس میں مذکور ہے کہ "کانت الدیۃ علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارباعاً الخ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دیت چار حصے کر کے ادا ہوتی تھی۔ صحابی کا یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دیت "ارباعاً" تھی، مرفوع کے حکم میں ہے۔ اس کی مزید تائید عبیدہ بروایت عبداللہ سے بھی ہوتی ہے جو بیہقی نے یزید بن ہارون کے طریق سے بیان کی ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ عبداللہ بن مسعود کی روایت کو موقوف ہونے کا نقص نکال کر مرجوع قرار نہیں دیا جا سکتا۔ تو جب دونوں روایتیں درجہ میں برابر ہوگئیں تو امام ابو حنیفہؒ اور قاضی ابو یوسفؒ نے عبداللہ بن مسعود کی روایت کو ترجیح دی کیونکہ وہ اور افقہ یعنی نسبتاً فقہ کو زیادہ سمجھنے والے تھے۔[۲]

امام ابو بکر جصاص حنفی نے احکام القرآن کے اندر "ارباعاً" کی روایت کی ترجیح اس طرح بیان کی

---

[۱] المغنی۔ جلد ۹ ص ۴۹۱

[۲] اعلاء السنن جلد ۱۸ ص ۱۲۴

ہے کہ حدیث میں سو اُونٹوں کی تعداد کو دیت مقرر کیا گیا ہے۔ یہ دیت مغلظہ ہے جس میں اثلاثاً اور اربا عاً دونوں شامل ہیں۔ البتہ اگر چار حصے کیے جائیں تو تغلیظ کم ہوگی اور اگر تین حصے کیے جائیں تو تغلیظ زیادہ ہوگی۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ چار حصے کرنے میں تو اتفاق ہے البتہ تین حصے کرتے میں اختلاف ہوا ہے۔ لہٰذا تین کے بجائے چار حصے کرنا بہتر ہے[1]۔

امام احمدؒ کی دو روایتیں منقول ہیں۔ ایک جماعت نے امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کے مطابق اُن کی روایت نقل کی ہے۔ اور دوسری جماعت نے امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق، امام مالکؒ، سلیمان بن یسار، ربیعہ اور زہری رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی امام ابو حنیفہؒ کی موافقت کی ہے[2]۔

رہی یہ بات کہ کیا تغلیظ صرف اُونٹوں کی جنس کے ساتھ ہی خاص ہے؟

امام مالکؒ کے نزدیک اُونٹوں کے ساتھ ہی نہیں ہے بلکہ سونے اور چاندی کی اجناس میں بھی دیت مغلظہ عائد ہوگی۔ وہ اُونٹوں پر قیاس کر کے دوسری اجناس کے اندر بھی تغلیظ کرتے ہیں جبکہ امام ابو حنیفہؒ دوسری اجناس کے اندر تغلیظ نہیں کرتے۔ وہ دلیل میں فرماتے ہیں کہ تغلیظ ایک امر توقیفی ہے۔ جس کا ذکر صرف اُونٹوں کے ساتھ ہی شارع نے کیا ہے۔ لہٰذا اس پر دوسری اجناس کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ علاوہ ازیں اُونٹوں کے اندر تغلیظ اُن کے عمروں کے اختلاف کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے مگر یہ بات دراہم و دینار کے اندر ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ ان اجناس کے اندر اگر تغلیظ پیدا کریں تو سونے اور چاندی کا وزن بڑھ جائے گا۔ جس سے شریعت کی مقررہ مقدار کی خلاف لازم آئے گی[3]۔

(باقی)

---

[1] احکام القرآن جلد ۲ صفحہ ۲۳۴

[2] المغنی جلد ۹ صفحہ ۴۸۹

[3] احکام القرآن جلد ۲ صفحہ ۲۳۵